موجودہ انتخابات اور جماعت اسلامی

از جناب محمد عنایت اللہ صاحب وارثی

کچھ دنوں سے اخبارات میں مولانا مودودی صاحب کے اس مضمون کا تذکرہ ہو رہا ہے جو ایک سوال کے جواب میں سہ روزہ "کوثر" مورخہ ۲۸ اکتوبر ۴۵ء کے صفحہ ۳ پر شائع ہوا ہے۔ مولانا نے انتخابات کی شرکت اور رائے دہی کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجیے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ نا ممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جس کے لیے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں۔ بخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔"

دورِ حاضر کے علما حضرات، کانگریسی ہوں یا احراری، بریلوی ہوں یا دیوبندی، مختلف سیاسی نظریات رکھنے کے باوجود اسمبلیوں کے اشتراک و انسلاک میں متفق العمل ہیں۔ صاف انکار اور بائیکاٹ کی آواز پٹھان کوٹ کے سوا کہیں سے نہیں اٹھی اور وہ بھی اب تک محض ایک انکار ہے۔ ایک مسئلہ کی حیثیت سے یہ معاملہ تشنۂ بحث ہے۔ سطور ذیل میں اجمالی طور پر اپنے تاثرات پیش کرتا ہوں، ممکن ہے

اہل علم اصحاب کی توجہ سے اس کے جزئیات دلیل و برہان کے ساتھ مزید روشنی میں آجائیں۔

اگر ممبران اسمبلی کو قانون سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو اس حق کا غیر مشروط ہونا ہی اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ یہ لوگ صحیح قانون مرتب کرنے میں آزاد ہیں۔ یعنی ان کو وہ اختیار حاصل ہوگا کہ ایسا قانون مرتب کریں جس میں "آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز" کیونکہ آخر زمین کے منہ پر خدا کے بندوں ہی کو خدائی قانون کی ذمہ داریاں کو انجام دینا ہے۔ اگر حکم و اختیار نیک بندوں کے ہاتھ میں آئے گا تو یقیناً خدا کی زمین پر نیکی کی اشاعت ہوگی اور برائی مٹتی جائے گی۔ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ۔

لہٰذا اس مقصد اعلیٰ کے حاصل کرنے کے لیے ایجابی پہلو تو یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کے منتخب ہونے کی کوشش کی جائے جن پر رضائے الٰہی کے ماتحت کام کرنے کا گمان غالب ہو، اور سلبی پہلو یہ رہا کہ ایسے لوگوں کے اختیار و اقتدار میں شدید مزاحمت کی جائے جن کی نسبت اس کے برعکس چلنے کا خیال ہو۔ علیحدگی بائیکاٹ اور تعطل کا جواز کسی صورت میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر نیک لوگوں کے برسر اقتدار آنے میں تعاون نہ کیا جائے تو تعاون علی البر کے خلاف ہے اور اگر خالی چھوڑ کر بروں کو موقع دیدیا جائے تو سکوت عن الحق کا جرم ثابت۔

ہاں اگر موجودہ جماعتوں میں کوئی جماعت تعاون کی مستحق اور اہل نہیں تو جماعت اسلامی کو میدان میں آنا چاہیے تاکہ یہ لوگ "اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کر دیں کہ حاکمیت صرف خدا کی ہو اور قانون سازی کتاب الٰہی کی سند پر مبنی ہو" تاہم اس سارے زور کے لیے بائیکاٹ اور تجنب کا میدان تلاش کرنا یقیناً وضاحت طلب ہے۔

اگر ہر معاملہ کو وقتی قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کر دی جائے تو ایک ایسی دنیا مسلمانوں کے آباد ہونے کے لیے تلاش کرنا پڑے گی جو اس لیل و نہار اور وقت و زمان کی قیود سے ماوراء ہو۔ نیز یہ بھی خیال کرنا پڑے گا کہ کیا اسلامی نظام کی ہمہ گیری اس سے قاصر ہے کہ وقتی مسائل کو اپنے ابدی و

وانی قوانین کے ماتحت حل کر سکے۔ علیحدگی کسی صورت میں بھی اس مسئلہ کا حل نہیں کہلا سکتی۔ یا اس نظام کے ساتھ منع و مزاحمت کا معاملہ ہو یا قبول و اذعان کا تعلق۔ اگر پوری مزاحمت ناممکن بھی ہو تو بھی مسلمان حتی الامکان کام کرنے کے لیے مجبور ہے۔

اس سلسلہ میں اکثر اضطرار و اختیار کی بحث پیش آتی ہے۔ سو اس کی نسبت عرض ہے کہ محترم مولانا مودودی صاحب نے اپنی اکثر تحریروں میں اظہار افسوس کرتے ہوئے بالوضاحت لکھا ہے کہ بد قسمتی سے اس وقت ہندوستان میں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں اسلامی قانون بغیر کسی منع و مزاحمت کے نافذ ہو۔ واقعی موجودہ حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے اور اس قانون و تمدن میں زندگی بسر کرتے ہوئے یہ بھی ناممکن کہ ہم اپنی تمام قوتوں اور مال و املاک کو نظام باطل کا آلۂ کار بننے سے محفوظ رکھ سکیں اور ہندوستان کے وسیع و عریض براعظم میں زمین کا ایک انچ بھر ٹکڑا ایسا تلاش کر سکیں جو اس نظام کے اثر سے ماؤف نہ ہو۔ تاہم گورداسپور کے ضلع میں قصبہ پٹھان کوٹ کے قریب زمین کے ایک ٹکڑے کو دارالاسلام بنایا جاتا ہے۔ اور اس شیطانی نظام کی تمام خرابیوں کے باوجود اس کے اندر وہ دارالاسلام ہے۔ اور یہ اسی مجبوری کا نتیجہ ہے کہ جو چیز مکمل حاصل نہ کی جا سکے اس میں سے جس قدر حاصل ہو سکے کر لی جائے۔

پھر مولانا نے دارالاسلام کے نظام کی توضیح فرماتے ہوئے اس سے رہبانیت اور قدامت پرستی کے شائبہ کو بھی رفع فرمایا ہے۔ لکھا ہے کہ دارالاسلام کے قیام کا مقصد اکثر غلط فہم پنڈاؤں کی طرح یہ نہیں کہ تمدن و حضارت کی جو حالت صحابۂ کرام کے زمانہ میں تھی بالکل وہی پیدا کی جائے اور ایک متحجر صورت میں قائم رکھی جائے بلکہ آپ آیۂ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ سے استدلال کر کے قوانین طبیعی کی ہر نئی قوت و ایجاد کو شرعی قانون کے ماتحت استعمال کرنا ہی عین اسلام قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرمایا ہے کہ:

"ریڈیو بجائے خود ناپاک نہیں، ناپاک وہ تہذیب ہے جو ریڈیو کے ڈائرکٹر کو دار و غۂ ارباب نشاط یا ناشر کذب و افترا بناتی ہے۔" رسالہ "دارالاسلام" صفحہ ۲

اور فرمایا کہ:-

"یہ طاقتیں تو تلوار کی طرح ہیں کہ جو اس سے کام لے گا وہی کامیاب ہوگا، خواہ وہ ناپاک مقصد کے لیے کام لے یا پاک مقصد کے لیے۔ پاک مقصد والا اگر اپنے مقصد کی پاکی کو لیے بیٹھا رہے اور تلوار استعمال نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے اور اس قصور کی سزا اسے بھگتنی پڑے گی، کیونکہ اس عالم اسباب میں خدا کی جو سنت ہے اسے کسی کی خاطر نہیں بدلا جا سکتا۔" (رسالہ مذکور عدد ۲)

اب گذارش ہے کہ اسمبلی کی غیر مشروط قانون ساز قوت یا حکومت کے اختیار کی تلوار کا قبضہ اگر آپ جیسے صحیح الخیال اصحاب کے ہاتھ میں آنے کا موقع مل سکتا ہے تو اسے مسترد کر دینے اور اس سے امکانی فوائد حاصل کرنے سے باز رہنے کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟ مزاحمت باطل اور اعلائے حق کی مصائب سے عمداً کنارہ کش ہو کر گوشۂ عافیت اختیار کرنے کی یہ ایک دانشمندانہ کوشش تو نہیں۔

اگر پاک جماعت اپنے پاک مقاصد کو لیے بیٹھی رہے اور ناپاک مقاصد رکھنے والے لوگوں کے لیے عمداً جگہ چھوڑ دے اور نظام باطل کی گاڑی کے سامنے مزاحمت پیدا کرنے کی بجائے اس کے پیچھے سے اپنے آپ کو بے حس و حرکت باندھ دینا ہی دینداری اور خدمت اسلام یقین کرلے تو کیا اس عالم اسباب میں خدا کی سنت کے مطابق اس قصور کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی؟

یا تو نظام باطل سے کامل بے تعلقی عملاً حاصل ہو جائے اور مسلمان ایک خالص اسلامی ماحول پیدا کرلے، لیکن اگر یہ صورت ناممکن ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر یہ کونسا مسلک ہے کہ وہ تعاون تو اضطراراً جائز رکھا جائے جس سے یہ نظام کما حقہ متمتع ہو کر دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا ہے، اور ان صورتوں سے اختیاراً دستکشی کرلی جائے جہاں کسی قدر اسلامی مفاد بھی حاصل کرنا متصور ہو۔ اگر اسم اور مسمّٰی میں کسی وجہ تسمیہ کا ہونا لازم ہے تو ایسی روش کو مسلک (چلنے کی راہ) کے بجائے بقول "کوثر" موقف (ٹھہرنے کی جگہ) کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

"کوثر" کے اسی نمبر کے افتتاحیہ میں مولانا نصر اللہ خاں صاحب عزیز نے بھی اسی مسئلہ پر بحث فرمائی ہے جس کے مطالعہ سے اس سلسلہ میں اور بھی الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور جمود و تعطل کا شائبہ یقین کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔ آپ جہاد کے لیے دو شرطیں مقرر فرماتے ہیں۔ لکھا ہے:۔

"اس کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ باختیار امیر کی قیادت میں ہو۔ کسی دوسرے نظام قاہر و مسلط کے اندر رہتے ہوئے جہاں کسی با اختیار امیر کا وجود ناممکن ہے قتال کرنا بداسنی اور فساد ہے جو جائز نہیں۔"

یہ حکم مزید توضیح کا محتاج نہیں۔ باختیار امیر کی قیادت کے بغیر جہاد فساد ہے اور امیر کا وجود کسی دوسرے قاہر و مسلط نظام کی موجودگی میں ناممکن ہے۔[۵]

اس شرط کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد نظام حقہ قائم ہونے کی صرف یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ قاہر و مسلط نظام کے ارکان خود بخود مہربانی کر کے مسلمانوں پر سے اپنا قہر و تسلط اٹھا لیں اور انھیں کامل آزاد ماحول میں چھوڑ کر ٹھنڈے ٹھنڈے کہیں سدھار جائیں تاکہ مسلمانوں کو ایک با اختیار قیادت قائم کرنے کا شرعی حق حاصل ہو جائے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ پھر جہاد کی ضرورت رہے یا نہ رہے۔ بہر حال جہاد حلال ہونے کی شرط یہی ہے۔

اگر یہ شرعی فتوی کسی غیر متقی کو مشتبہ نظر آئے تو پھر سوا اس کے چارۂ کار نظر نہیں آتا کہ جس طرح نظام باطل کے منع و مزاحمت کے باوجود ایک غیر اسلامی ماحول میں دارالاسلام قائم کرنے کی کوشش مناسب و موزوں بلکہ ضروری نظر آتی ہے اور اس نظام کے پیدا کردہ تمام آلات و قویٰ سے کام لینا عین اسلام اور کام نہ لینا ہلاکت قرار دیا جاتا ہے، وہاں اسمبلیوں سے اپنا حصہ حاصل کرنا اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنا ہی تقاضائے عقل و انصاف ہے۔

مسلم لیگ کی پیدا کردہ موجودہ فضا اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ اگر دیہات کے ناخواندہ زمینداروں کے سامنے جو آج تک ذات پات کی عصبیت میں اعراب عرب سے کسی حالت میں کم نہیں تھے ایک طرف کوئی غیر متشرع نواب ہوتا اور دوسری طرف ایک عالم دین تو یقیناً وہ عالم دین کو کامیاب کر کے چھوڑتے۔ اس نادر موقع سے فائدہ نہ اٹھانے اور عوام کو مذہبی قیادت سے محروم رکھنے کی ذمہ داری

---

۵ ترجمان القرآن :- یہ محض ایک غلط بحث ہے۔ مدیر کوثر نے اس موقع پر جس جہاد سے بحث کی ہے وہ جہاد بالسیف ہے، نہ وہ جہاد جو جدوجہد کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس دوسری قسم کے جہاد کے لیے باختیار امیر کی شرط کا کوئی بھی قائل نہیں۔

صرف ان لوگوں پر ہے جو محض اپنے آرام کی خاطر علما کو بائیکاٹ کا مشورہ دے رہے ہیں۔

یوسف صدیق علیہ السلام نے اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ کا مطالبہ کر کے غیر اسلامی حکومت کے ایک شعبہ کو ہاتھ میں لیا اور بہترین انتظام کر کے دنیا کو ہلاکت سے بچایا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اور اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کے مسلسل مطالبات کر کے ایک غیر مہذب اور غیر صالح بھیڑ کو اسی ملک کے ایک حصہ میں رکھ کر اصلاح و تہذیب کی کوشش کی۔

مریض کی صحت انھیں اخلاط کی تبدیلی پر منحصر ہے جو مریض کے وجود کے اندر موجود ہیں ہمسایے کے گھر میں خواہ کسی قدر بہترین اور قیمتی ادویات کا انبار عمدہ سے عمدہ قرینہ اور ترتیب ہی سے کیوں نہ لگا دیا جائے دوسرے گھر والا مریض صحت یاب نہیں ہو سکتا۔

جواب

یہ مضمون دراصل متعدد مغالطوں یا غلط فہمیوں کا مجموعہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر کے یہاں ہم صرف تین بڑی اور بنیادی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) صاحبِ مضمون کی پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ "اگر ممبرانِ اسمبلی کو قانون سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو اس حق کا غیر مشروط ہونا ہی اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ یہ لوگ صحیح قانون مرتب کرنے میں آزاد ہیں، یعنی ان کو اختیار حاصل ہوگا کہ ایسا قانون مرتب کریں جس میں آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے"۔۔۔۔ بظاہر یہ بات بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی تھوڑی سی تحلیل کرنے سے ہی یہ حقیقت بآسانی کھل جاتی ہے کہ یہ مغالطہ یا غلط فہمی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آزادی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان کو یا انسانوں کے کسی گروہ کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل ہو اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ اپنا یہ اصول قرار دے اور اس نظریے پر کاربند ہو کر وہ اپنے عمل میں خود مختار رہے اور خود اپنی خواہش اور صوابدید کے سوا کسی آسمانی ہدایت سے امر و نہی

کے احکام لینے اور اپنے معاملات میں رہنمائی حاصل کرنے کا پابند نہیں ہے۔ ان دونوں مفہومات میں سے پہلے مفہوم کی آزادی تو انسان کی فطری مسئولیت و ذمہ داری کی اساس ہے جس کی بنیاد ہی پر وہ شرائع الٰہیہ کا مخاطب بنایا گیا ہے۔ یہ آزادی مومن ہونے کے لیے بھی اسی طرح ناگزیر ہے جس طرح کافر ہونے کے لیے۔ اسے ایمان و اسلام کی راہ میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور کفر و معصیت کی راہ میں بھی، اس کو بجائے خود نہ کفر کہا جا سکتا ہے نہ ایمان، بلکہ یہ ایک شرط مقدم ہے جس کے حصول کے بغیر کوئی فرد یا گروہ نہ ایمان کی راہ پر چل سکتا ہے نہ کفر کی راہ پر۔ بخلاف اس کے دوسری قسم کی آزادی قطعی طور پر ایک کافرانہ آزادی ہے اور کسی فرد یا قوم کا اسے بطور ایک نظریہ و مسلک کے اختیار کرنا صریحاً یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے ایمان کے بجائے کفر کی راہ اپنے لیے انتخاب کی ہے، کیونکہ کفر اس کے سوا کسی اور چیز کا نام ہی نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہدایت الٰہی سے بے نیاز قرار دے کر اپنے نظریات و اعمال میں خود مختاری کا طریقہ اختیار کرے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان میں جس دستور پر حکومت خود اختیاری کا نظام اس وقت قائم کیا گیا ہے اور جن خطوط پر آئندہ اس دستور کا نشوونما ہو رہا ہے، اس کی بنیاد آیا محض پہلی ہی قسم کی آزادی ہے یا دوسری قسم کی آزادی بھی اس میں شامل ہے؟ جو شخص ہندوستان کے موجودہ نظام حکومت سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ پورا نظام دنیوی لادینی ریاست (Secular State) کے نظریہ پر مبنی ہے اور اب جو اس کا مزید دستوری ارتقا ہو رہا ہے اس میں بھی یہ بات اصل و اساس کے طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ وہ اسی دنیوی لادینی ریاست کے قاعدہ پر مبنی ہوگا۔ یعنی اس میں باشندگان ملک کو صرف یہی آزادی حاصل نہیں ہوگی کہ اپنے لیے جو دستور چاہیں اختیار کریں، بلکہ اس کی بنیاد لازماً اس نظریہ پر قائم ہوگی (اور آج بھی ہے) کہ حاکمیت جمہور کی ہے اور قانون سازی میں رائے عام سے بالاتر کسی کتاب الٰہی اور ہدایت خداوندی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ پورا نظام دراصل ایک کافرانہ نظام ہے، اس کی بنیاد اسلام کی بنیاد سے متصادم ہے اور اس کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اس میں داخل ہونا قطعاً ایمان کے خلاف ہے۔ یہ آواز اگر صرف "پٹھان کوٹ" سے اٹھی ہے تو اس میں بیچارے "پٹھان کوٹ"

کا کوئی قصور نہیں، قصور ان دوسری جگہوں کا ہے جہاں سے یہ اُٹھنی چاہیے تھی مگر نہ اُٹھی۔

یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ہم اس نظام کے اندر داخل ہو کر[۵] اس کو اسلام کی طرف پھیر لیں گے۔ اس کے اندر داخل ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ پہلے اس کے بنیادی نظریے کو تسلیم کیا جائے، اور اس کے بنیادی نظریے کو تسلیم کرنا اسلام کے بنیادی نظریے سے انکار کا ہم معنی ہے، لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ باہر سے[۶] اس کے خلاف لڑیں اور اپنی تمام تر کوشش پہلے یہ اصول منوانے میں صرف کریں کہ قانون سازی کتاب الٰہی کی سند پر مبنی ہونی چاہیے نہ کہ اس سے آزاد، اور باشندگان ملک کی حکومتِ خود اختیاری دوسری قوموں اور ملکوں کے مقابلہ میں خود اختیاری ہونی چاہیے، نہ کہ خدا کے مقابلہ میں! اصولی حیثیت سے قطع نظر عملی حیثیت سے بھی یہ تدبیر قطعاً ایک غلط تدبیر ہے کہ اس کا فرانہ نظام حکومت کی مجالس قانون ساز میں داخل ہو کر ہم مذکورۂ بالا اصول منوانے کی کوشش کریں۔ یہ پارلیمنٹری طریق کار صرف ان جماعتوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو اصول میں رائج الوقت نظام سے متفق ہوں اور صرف فروعی اصلاحات کے معاملہ میں اپنا الگ مسلک رکھتی ہوں۔ لیکن جو جماعت سرے سے اس نظام ہی کو اصولی طور پر بدل ڈالنا چاہتی ہو اس کے لیے پارلیمنٹری طریق کار کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا۔ اس کو تو لازماً انقلابی طریق کار اختیار کرنا پڑتا ہے یعنی یہ کہ وہ رائج الوقت نظام کے خلاف عام بے چینی پیدا کرے اور اس کو بدلنے کا ایک زبردست داعیہ باشندگان ملک میں ابھار دے، پھر وقت کے حالات کے لحاظ سے ایسی تدبیر اختیار کرے جس سے نظام حکومت عملاً تبدیل ہو سکے۔

(۲) دوسری غلط فہمی جس میں صاحب مضمون مبتلا ہیں، یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس نظام کی اصلاح اس طرح، اور صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ اچھے لوگوں کو منتخب کر کے اُن اسمبلیوں میں بھیجنے کی کوشش کی جائے جو اس کافرانہ دستور پر بنائی گئی ہیں، اور چونکہ جماعت اسلامی نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا ہے

---

[۵] یعنی اس کی کار فرمائی و کارکنی میں شریک و حصہ دار بن کر۔

[۶] باہر رہنے سے ہماری مراد حکومت کی مشنری سے باہر رہنا ہے، نہ کہ اس تمدن سے باہر نکل جانا جو اس حکومت کے تحت چل رہا ہے۔

اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ اس جماعت نے محض علیحدگی و اجتناب کا سلبی پہلو اختیار کر رکھا ہے جس سے اصلاح تو کسی طرح نہ ہوگی البتہ اقتدار کی تلوار برے لوگوں کے ہاتھ میں جا کر باطل کو اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ جمانے میں استعمال ہوگی۔ اس غلط فہمی میں نہ صرف صاحب مضمون مبتلا ہیں، بلکہ بکثرت لوگ اسی طرز پر سوچ رہے ہیں اور اس کی اصل وجہ سطح بینی اور قلت فکر و تدبر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ دراصل یہ حضرات اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ کروڑوں مسلمانوں کے موجود ہوتے ہوئے موجودہ کافرانہ نظام اس ملک میں آخر قائم کیسے ہو گیا اور کیا وجہ ہے کہ ملک کا سارا دستوری ارتقا انہی کافرانہ اصولوں پر ہوئے چلا جا رہا ہے۔ اس سوال پر اگر انھوں نے کچھ غور کیا ہوتا تو ان پر خود یہ حقیقت منکشف ہو جاتی کہ اس خرابی کی اصل وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً شعور اسلامی مردہ یا نیم مردہ ہو گیا ہے، ان کے اندر اسلامی دستور حیات پر اور اس کے لیے جینے اور مرنے کا ارادہ مفقود یا فقدان کی حد تک ضعیف ہے، اور انھوں نے ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں کو بھی صحیح نظام زندگی سمجھانے اور اس کی طرف دعوت دینے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کی اپنی زندگی بھی فکری، اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے بیشتر غیر اسلامی ہو گئی ہے اور ہندوستان کا پورا نظام تمدن و سیاست بھی کافرانہ اصولوں پر قائم ہوا ہے۔ اب اس خرابی کا اور اس کے برے نتائج کا مداوا کرنے کے لیے اس قسم کی تدابیر سے کچھ کام نہیں چل سکتا کہ اس کافرانہ نظام کی مشینری میں ہم چند نیک مومنوں کو بھجوانے کی کوشش کریں۔ تھوڑی دیر کے لیے اگر اس اصولی سوال کو نظر انداز کر بھی دیا جائے کہ ایک نیک مومن اس مشینری کی کافرانہ بنیادوں کو تسلیم کر کے اس میں داخل ہونے پر آمادہ ہی کیسے ہو سکتا ہے، اور اگر تقیہ کے شیعی طریقہ کو اختیار کر کے چند مومن اس نظام میں داخل ہونے پر آمادہ ہو بھی جائیں، تو دیکھنا یہ ہے کہ اس تدبیر سے حاصل کیا ہو سکتا ہے:

جمہوری نظام میں کوئی گروہ اپنے اصول کے مطابق نظام حکومت کو اس وقت تک ہرگز نہیں چلا سکتا جب تک کہ وہ حکومت کی مشینری پر قابض نہ ہو۔

حکومت کی مشینری پر قابض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مجالس قانون ساز میں اس کو غالب

اکثریت حاصل ہو۔

اس غالب اکثریت کا حصول بحالات موجودہ ہندوستان کے ایک بڑے حصہ میں اہل ایمان کے لیے ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس وقت اسلام اس ملک میں ایک ایسی اصولی تحریک کی حیثیت نہیں رکھتا جس کے علمبردار باشندگان ملک سے محض اپنے اصولوں کی بنا پر عام اپیل کر سکتے ہوں اور یہ امید کی جا سکے کہ وہ اپنی دعوت کو مقبول عام بنا کر اکثریت کی تائید حاصل کر لیں گے۔ فی الحال تو اسلام ہندوستان کی ایک ایسی قوم کا مذہب ہے جس کی دوسری قوموں سے کشمکش ہو رہی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی گروہ اس وقت خالص اسلامی اصول لے کر انتخابی مقابلہ میں اترے گا تو مسلمان قومیت کے پرستاروں کی طرح اس کو بھی صرف موجودہ مسلمان قوم ہی کے ووٹوں پر انحصار کرنا پڑے گا، اور معلوم ہے کہ یہ قوم ملک کے بڑے حصہ میں بجائے خود اقلیت میں ہے۔

رہے وہ علاقے جہاں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے، تو اگر بالفرض وہ پاکستان کی صورت میں خود مختار ہو جائیں اور ایک مستقل صاحب حاکمیت اسٹیٹ کی حیثیت بھی ان کو حاصل ہو جائے تب بھی خالص اسلامی اصولوں پر جو گروہ کام کرنا چاہتا ہو اس کے غالب اکثریت حاصل کرنے کا بحالت موجودہ یہاں بھی کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ اس کے اکثریت حاصل کرنے کا تمام تر انحصار مسلمانوں کی رائے عام پر ہے اور مسلمانوں کی رائے عام اس وقت بالکل ناتربیت یافتہ ہے، اسلامی فہم و شعور سے بہت بڑی حد تک عاری ہے اور اسلامی مقاصد کی بہ نسبت اپنی دنیوی خواہشات و اغراض کے عشق میں بری طرح مبتلا ہے۔ اس رائے عام کی تائید سے کسی ایسے گروہ کا اکثریت کے ساتھ منتخب ہونا تقریباً ناممکن ہے جو بے لاگ طریقہ سے خالص اسلامی اصولوں پر کام کرنا چاہتا ہو۔

پھر اگر بالفرض ایسا ایک گروہ اکثریت میں منتخب ہو بھی جائے تو جو حالات اس وقت پائے جاتے ہیں ان میں یہ ممکن نہیں ہے کہ آزاد پاکستان کے نظام کو اسلامی دستور میں تبدیل کیا جا سکے کیونکہ جنت الحمقا میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں، لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا جس میں غیر مسلم

اسی طرح برابر کے شریک حکومت ہوں گے جس طرح مسلمان۔ اور پاکستان میں ان کی تعداد اتنی کم اور ان کی نمائندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی کہ شریعت اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا جا سکے۔

ہم ان حقائق کو سمجھتے ہیں اور اس بنا پر ہمارے نزدیک وہ تدابیر بالکل لاحاصل ہیں جن سے ہمارے محترم مضمون نگار اور ان کے طرز پر سوچنے والے بہت سے مسلمان اسلامی نظام کے قیام کی امیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس مقصد تک پہنچنے کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کا سیاسی نظام جس ڈھنگ پر چل رہا ہے اور جس راہ پر وہ آگے بڑھتا نظر آرہا ہے اس سے فی الحال ہم قطع نظر کرلیں اور اپنی ساری قوت اس بنیادی کام پر صرف کریں جس کے ذریعہ سے نظام زندگی میں اسلامی طرز کا انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کی جو جماعتیں حقیقی صورت معاملہ کو اچھی طرح نہیں سمجھ رہی ہیں وہ اپنے طرز عمل میں آزاد ہیں، جس طرح وہ کام کرنا چاہیں کریں، ہم ان کے خلاف خواہ مخواہ کوئی معرکہ آرائی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ پچھلے زمانہ کی غلطیوں کی بدولت اس وقت فوری طور پر ایسی کوئی قوت فراہم نہیں کی جا سکتی جس سے واقعات کی موجودہ رفتار پر وہ کم سے کم اثر بھی ڈالا جا سکے جو اسلام کے مقصد کے لیے مطلوب ہے۔ اس لیے ہم اس وقت کی سیاسی کارروائیوں میں دخل دینا تضیع وقت بھی سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے بھی اس سے احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہم اپنے اصول سے ہٹے بغیر سیاسی جد و جہد میں حصہ نہیں لے سکتے۔ نیز ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس وقت سیاسی معاملات کا فیصلہ خواہ کچھ ہی ہو جائے اور اس کے نتائج آگے چل کر خواہ کتنے ہی خوفناک نکلتے نظر آئیں، لیکن اگر ہم اس پروگرام پر ٹھیک ٹھیک عمل درآمد کرنے میں کامیاب ہو گئے جو ہمارے پیش نظر ہے تو واقعات کی رفتار بالآخر پلٹ کر رہے گی اور ان سارے نقصانات کی تلافی ہو جائے گی جو اس وقت کے اجتناب سے ہمیں پہنچیں گے۔

ہمارا پروگرام مختصراً یہ ہے:

۱ مسلمانوں کے اس مخلوط انبوہ میں سے صالح اہل ایمان کے عنصر کو چھانٹ کر اعلیٰ درجہ کی اخلاقی

تربیت کے ساتھ منظم کیا جائے، اور ان کو اس کام کے لیے تیار کیا جائے کہ وہ مسلم قومیت کے بجائے خود اسلام کو ایک اصولی تحریک کی حیثیت سے لے کر اٹھ سکیں۔

ب۔ اس گروہ کے ذریعے عامۂ مسلمین میں اسلامی شعور و فہم اور اسلام اور غیر اسلام کی تمیز پیدا کی جائے، ان کی اخلاقی قدروں کو تبدیل کر کے خالص اسلامی قدریں ان کے ذہن نشین کی جائیں ان میں اسلامی نظام زندگی کے قیام کا مضبوط ارادہ (موہوم اور مبہم ارادہ نہیں بلکہ واضح اور شعوری ارادہ) پیدا کیا جائے اور ان کی رائے عام کو اس حد تک تیار کر دیا جائے کہ اگر جمہوری طریقوں پر ملک میں انقلاب کرنا ممکن ہو تو خالص اسلامی طرز پر کام کرنے والی جماعت کے سوا کوئی دوسرا گروہ ان مجالس کو بے وقوف بنا کر یا ان کے سامنے غیر اسلامی مقاصد پیش کر کے ان سے ووٹ نہ حاصل کر سکے۔ اور اگر جمہوری طریقے قابل عمل نہ ہوں تو وہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جائیں

ج۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی موجودہ سیاسی کشمکش سے جو تعصبات ہندوستان کے غیر مسلموں میں پیدا ہو گئے ہیں ان سے بالاتر ہو کر غیر مسلموں کے سامنے اسلامی نظام زندگی اور ان اخلاقی بنیادوں کو جن پر یہ نظام زندگی قائم ہوتا ہے پیش کیا جائے اور پوری حکمت، جانفشانی اور خالص للّٰہیت کے ساتھ ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن میں یہ ممکن ہو کہ غیر مسلموں کا بھی ایک صالح عنصر اسلامی نظام زندگی کا معتقد اور اس کے قیام کا طالب ہو جائے اور اسلامی نظام کا قیام صرف موجودہ مسلمان قوم کی رائے عام پر منحصر نہ رہے بلکہ ان قوموں کی رائے عام بھی اس کی مؤید ہو جائے جو آج غیر مسلم ہیں اور جن کو مسلمانوں کی موجودہ قومیت پرستانہ جنگ نے اسلام کے خلاف سخت تعصبات میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اس پروگرام میں جب ہم ایک قابل لحاظ حد تک کامیاب ہو جائیں گے (اور ہمیں یقین ہے کہ جس طرز پر ہم کام کر رہے ہیں اس سے آخر کار ان شاء اللہ ہم کو کامیابی ضرور ہوگی) تب ہم ملک کے حالات پر نظر ڈال کر دیکھیں گے کہ آیا اس وقت یہاں جمہوریت اتنی ترقی کر چکی ہے کہ دستور حکومت میں کوئی اصولی تغیر صرف اس بنیاد پر ہو سکتا ہے کہ رائے عام اس تغیر کی خواہشمند ہے؟ اگر یہ صورت

ہم نے موجود پائی تو ہم وقت کے دستورِ حکومت کو تبدیل کرنے اور اسلامی اصول پر نیا دستور بنانے کا مطالبہ ملک کی رائے عام کے سامنے پیش کریں گے، اس تغیر کے لیے اسے تیار کریں گے اور وقت کے سیاسی نظام پر دباؤ ڈالیں گے کہ وہ ایک نئی دستور ساز اسمبلی (Constituent Assembly) منعقد کرے جو اس امر کا فیصلہ کرے کہ ملک کا آئندہ دستور کیا ہو۔ اس اسمبلی کے الیکشن میں ہم پوری کوشش کریں گے کہ رائے عام کی تائید سے ہم کو اکثریت حاصل ہو اور ہم ملک کا دستور اسلامی اصولوں پر قائم کریں۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس پروگرام کو ایک بڑا لمبا پروگرام سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید اس کے پورا ہونے میں دو تین صدیاں لگ جائیں گی، اس لیے ان کے نزدیک یہ کوئی عملی پروگرام نہیں ہے بلکہ وہ اسے ایک خیالی پلاؤ سمجھتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پروگرام میں سارا دیر طلب کام صرف اس ابتدائی صالح گروہ کی تنظیم و تربیت کا ہے جو اسلامی انقلاب کی ایک وسیع تحریک کا موزوں محرک ہو سکے۔ ایسے ایک گروہ کی تنظیم کے بعد یہ تحریک اس طرح پھیلے گی جیسے خشک گھاس میں آگ پھیلتی ہے۔ وقت کے تعین کی پیشنگوئی تو میں نہیں کر سکتا، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس ابتدائی مرحلہ کے گزرنے کے بعد ہماری منزلِ مقصود اتنی دور نہیں رہے گی جتنی بہت سے لوگ کام کیے بغیر صرف اپنے خیال میں دور سمجھ رہے ہیں۔ تاہم اگر یہ دور بھی ہو تو چونکہ منزلِ حق یہی ہے اس لیے ہم اس کی طرف دوڑتے ہوئے مر جانا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، بہ نسبت اس کے کہ جانتے بوجھتے غلط مگر آسان راہوں میں اپنی قوت صرف کریں یا نادانی کے ساتھ جنت الحمقاء کے حصول میں اپنی قوت ضائع کریں۔

(۳) تیسری غلط فہمی جس میں صا[illegible]ن کے ساتھ بہت سے سادہ لوح مسلمان مبتلا ہیں، یہ ہے کہ مسلم لیگ کی پیدا کردہ موجودہ فضا اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ عام مسلمانوں کے ووٹوں سے صالح مومنین کا ایسا گروہ منتخب ہو کر آ سکتا ہے جو وقت کی س[illegible]ا[illegible] رفتار کو اسلامی نصب العین کی طرف پھیرنے کے قابل ہو۔ اسی بنا پر یہ حضرات کہتے ہیں کیسا نادر موقع مل رہا ہے اور تم اسے کھوئے دیتے ہو۔ اندھے ایمان کی بات تو دوسری ہے کہ اس میں تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور جب کوئی تحریک شور و غل اور ہنگامہ کے ساتھ طوفانی رفتار سے چل رہی ہو تو عام طبائع میں اندھے ایمان کا رجحان پیدا ہو ہی جایا کرتا ہے

لیکن جب ہم تحقیق کی نگاہ ڈال کر اس فضا کا جائزہ لیتے ہیں جو مسلم لیگ نے پیدا کی ہے تو ہمیں کسی نادر نو درکنار غیر نادر موقع کا بھی نشان نہیں ملتا۔

مسلم لیگ کی تحریک کے متعلق پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ اس کے بنیادی تصورات، اس کا نظام ترکیبی، اس کا مزاج اور اس کی اسپرٹ، اس کا طریق کار اور اس کے مقاصد سب کچھ وہی ہیں جو قومی اور قوم پرستانہ تحریکوں کے ہوا کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ مسلمانوں کی قومی تحریک ہے اور مسلمان کی ہر چیز "اسلامی" بن جایا کرتی ہے، اس لیے خواہ مخواہ اسے بھی اسلامی تحریک سمجھ لیا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تحریک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل ایک دوسری ہی چیز ہے جس کا کوئی شائبہ بھی مسلم لیگ کی قومی تحریک میں نہیں پایا جاتا، اور یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اسلام اپنے مخصوص طریق کار سے جس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے اس تک آپ ایک قوم پرستانہ تحریک کے ڈھنگ اختیار کر کے پہنچ جائیں۔ ہر منزل اپنی فطرت کے لحاظ سے اپنی ہی ایک مخصوص راہ رکھتی ہے۔ آپ اسلام کی منزل مقصود کو پہنچنا چاہیں تو آپ کو اسلامی تحریک ہی کی مخصوص راہ کو سمجھنا اور اسے اختیار کرنا پڑے گا۔ قوم پرستی کے طریقے اختیار کر کے آپ قومیت کی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں مگر یہ توقع کرنا انتہائی پراگندہ خیالی ہے کہ ان ڈھنگوں سے آپ اسلامی منزل مقصود پر جا پہنچیں گے۔ اس نکتہ کی توضیح کا یہاں موقع نہیں ہے۔ میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم" میں تفصیل کے ساتھ یہ بتا چکا ہوں کہ ایک اصولی تحریک اور ایک قوم پرستانہ تحریک میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ضرورت ہو تو پھر اس کی تشریح کر سکتا ہوں۔ یہاں میں اشارۃً صرف اتنی بات واضح کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ایک اصولی تحریک کے کارکنوں کو یہ خبر دینا کہ تمہارے لیے ایک قوم پرستانہ تحریک نے بڑے اچھے مواقع پیدا کر دیے ہیں کسی بصیرت اور معاملہ فہمی کا ثبوت نہیں ہے۔ اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کسی عازم کلکتہ کو یہ خبر دی جائے کہ کراچی میل تیار کھڑا ہے۔

ان کی یہ خوشخبری کسی حد تک اگر صحیح ہو بھی سکتی تھی تو شاید اس صورت میں ہوتی جبکہ مسلمانوں کی اس قوم پرستانہ تحریک میں کم از کم ثانوی حیثیت ہی سے مذہبیت کا پر زور اثر موجود ہوتا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہاں اس کا بھی فقدان ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مسلم لیگ فی الواقع مسلمانوں کو اسلام اور

اس کی تہذیب اور اس کے احکام کی اطاعت سے روز بروز دور تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عام مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے اس میں اسلام کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ اور ایسی نمائشی باتیں بھی کچھ کر دی جاتی ہیں جن سے اکابر لیگ کے گہرے جذبۂ دینی کا ثبوت بہم پہنچ جائے۔ لیکن یہ چیزیں صرف سطح بیں لوگوں کو دھوکے میں ڈال سکتی ہیں۔ حقیقت جو کچھ ہے وہ ہر صاحب نظر کے سامنے بالکل بے نقاب ہے۔ لیگ کی قیادت، اس کی پالیسی کی تشکیل، اس کے پورے نظام کی کارفرمائی، اور اس کی ساری قوتِ محرکہ اس وقت مسلمان قوم کے ایک ایسے طبقہ کے ہاتھ میں ہے جو زندگی کے جملہ مسائل میں دینی کے بجائے دنیوی (Secular) نقطۂ نظر سے سوچنے اور کام کرنے والا ہے، اسلام کے بجائے مغربی اصولِ حیات کا معتقد اور مقلد ہے، دینی تعلق کے بجائے قومیت کے تعلق کی بنا پر مسلمانوں کی حمایت و وکالت اسی طرح کر رہا ہے جس طرح ہر قوم کے قوم پرست کیا کرتے ہیں، اور صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ یہ گروہ خود علانیہ اسلام کے اصول و احکام کی خلاف ورزی کرنے میں بیباک ہے بلکہ اس کی رہنمائی و سربراہ کاری کی وجہ سے مسلمانوں میں بالعموم اسلام کے احکام کی خلاف ورزی اور اس خلاف ورزی میں بیباکی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کی دینی حس مردہ ہو رہی ہے اور ان پر ذہنیت بڑی تیزی کے ساتھ چھا رہی ہے جو اپنی اصل کے لحاظ سے قطعاً ایک دنیا پرستانہ ذہنیت ہے مگر "مسلم قوم کے مفاد" اور "ملت کی زندگی کے بقا" کا نام لے لے کر اس پر "اسلامیت" کا جھوٹا ملمع چڑھایا جا رہا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس صورتِ حال کے پیدا کرنے کی ذمہ داری میں ان مذہبی رہنماؤں کی نادانی بھی برابر کی شریک ہے جن کے ہاتھ میں تحریکِ خلافت کے زمانہ سے مسلمانوں کی قیادت کی باگیں تھیں اور جنھوں نے مسلمانوں کے عام احساسات کے علی الرغم ہندوستانی قوم پرستی کے سراسر غلط مسلک پر اصرار کر کے مسلمانوں کو زبردستی لامذہب رہنماؤں کی گود میں دھکیل دیا۔ لیکن اسباب خواہ کچھ ہوں، یہ واقعہ بجائے خود واقعہ ہے کہ مسلم لیگ کی پیدا کی ہوئی موجودہ فضا اسلام کے لیے کوئی موافق فضا نہیں ہے بلکہ انتہائی ناموافق اور ناسازگار فضا ہے جس میں خالص دینی نقطۂ نظر سے کام کرنے کے مواقع کم اور کم تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ لیگ کے حلقہ میں ایسے لوگوں کا بھی ایک بہت بڑا گروہ شامل ہے جو اخلاص کے

ساتھ مسلمان ہیں اور سچے دل سے اسلام کی برتری چاہتے ہیں۔ مگر مجھے ان کی سادہ لوحی پر بڑا ترس آتا ہے یہ بیچارے اسی نادانی کا ارتکاب کر رہے ہیں جس کا ارتکاب ٹرکی کے بہت سے نیک نیت مسلمانوں نے پہلی جنگ عظیم کے بعد کیا تھا اور اس کا برا انجام دیکھ لیا۔ انھوں نے بھی اسی طرح قومی تحفظ کی خاطر (اور "مسلمان قوم" کا تحفظ تو ایک مقدس مذہبی کام بن ہی جاتا ہے) مصطفیٰ کمال اور اس کی قوم پرست پارٹی کو زمام کار سونپی تھی۔ وہ بھی اسی طرح مذہبی تاویلیں کر کر کے لادینی کی طرف اس کی ہر پیشقدمی کو گوارا کرتے رہے، اور یونہی وہ بھی اپنا دل یہ سوچ سوچ کر بہلایا کرتے تھے کہ اس وقت تو قوم کا تحفظ مقدم ہے اور اسی کے لیے اللہ اپنے دین کی تائید اس رجل فاجر کے ذریعہ کر رہا ہے جب یہ وقت گزر جائے گا تو انشاءاللہ ہمارا کارواں جادۂ اسلام کی طرف پھر مڑ جائے گا۔ مگر جو کارواں اپنے آپ کو بے دین قیادت کے قابو میں خود دے چکا تھا اسے پھر اسلام کی راہ پر جادہ پیمائی کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

اب ذرا دینی پہلو سے قطع نظر کر کے محض قومیت کے نقطۂ نظر سے اس فضا کا جائزہ لیجیے جو مسلم لیگ نے اس وقت پیدا کی ہے۔ اس کا یہ پہلو خواہ کتنا ہی شاندار ہو کہ مسلمانوں میں ایک عام قومی حرکت پیدا ہو گئی ہے اور وہ ایک مرکزی طاقت سے بظاہر وابستہ ہو گئے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ لیگ کی یہ تحریک محض ایک اضطراری ہیجان ہے جو ہندو قوم پرستی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے خوف سے مسلمانوں میں بھڑک اٹھا ہے۔ اس ہیجان کے پیچھے کوئی سوچا سمجھا نقشہ نہیں ہے، کوئی واضح مقصد[۱] نہیں ہے، کوئی تعمیری سعی نہیں ہے جو حصول مقصد کے لیے طاقت فراہم کر سکے، کوئی ایسی کارکن جماعت نہیں ہے جو قابل اعتماد سیرت اور ایک منظم فکر رکھتی ہو اور کوئی ایسی قیادت نہیں ہے جو ایک عمومی تحریک کو چلانے کی اہل ہو۔ فی الواقع مسلمانوں میں جو حرکت پیدا ہوئی ہے وہ لیگ اور اس کی قیادت نے سوچ سمجھ کر

[۱] کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایک واضح مقصد ہے۔ لیکن کسی مقصد کے لیے محض ایک نام مہیا ہو جانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ مقصد ایک واضح مقصد ہے۔ جس چیز کو پاکستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے وہ قطعی مبہم ہے اور اس کی اصلی تعبیر غالباً ایک جمہوری لادینی اسٹیٹ کے سوا کچھ نہ ہوگی۔ مگر اس کو محض اس لیے صاف صاف بیان نہیں کیا جاتا کہ سادہ لوح مسلمان جو اسلامی نظام کے قیام کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں اس سے مایوس نہ ہو جائیں۔

کسی نقشے کے مطابق پیدا نہیں کی بلکہ ہندوؤں کے قومی امپیریلزم اور ان کے لیڈروں کی تنگ دلانہ سیاست سے مسلمانوں میں خود بخود ایک احساس خطر اور ہیجانِ اضطراب بھڑک اٹھا اور اس حالت میں جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کے وہ مذہبی اور سیاسی لیڈر جن کی طرف وہ تحریک خلافت کے زمانہ سے رجوع کرتے رہے تھے، ان کے کسی کام نہیں آرہے تو جس نے بھی آگے بڑھ کر ان کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھایا اس کا دامن انھوں نے تھام لیا۔ اب یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ اس ہیجان کی حالت میں جو رہنمائی ان کو میسر آئی وہ بجز کانفرنسوں اور اسمبلیوں کی لڑائی لڑنے کے اور کسی طرزِ جنگ اور طریق تیاری سے واقف نہیں ہے۔ پچھلے آٹھ سال میں اس قیادت نے اس خود بخود ابھرنے والے ہیجان سے فائدہ اٹھا کر ہردلعزیزی تو ضرور حاصل کی، لیکن اس ہردلعزیزی سے جو طاقت اس کو ملی تھی اس سے کوئی تعمیری کام نہ کیا، مسلمانوں کی قومی طاقت کو بنانے کے لیے جو تدبیریں ممکن تھیں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور کارکنوں اور رہنماؤں کا کوئی گروہ ایسا تیار نہیں کیا جو قومی حیثیت ہی سے سہی، کچھ اخلاقی بلندی اور کچھ قابلِ اعتماد سیرت کا حامل ہوتا۔ کئی قیمتی سال اس نے محض وزارتوں کا کھیل کھیلنے میں ضائع کر دیے اور یہ کھیل چونکہ کسی تیاری اور کسی نقشے کے بغیر کھیلا گیا تھا اس لیے اس کا کوئی فائدہ اس کے سوا نہ ہوا کہ مسلمانوں کے قومی کیرکٹر کی کمزوری اور زیادہ بے نقاب ہوگئی اور ان کی ہوا پہلے سے زیادہ اکھڑ گئی۔ پھر اب جو فیصلہ کا وقت آیا اور نئے انتخابات شروع ہوئے تو چونکہ پہلے سے کوئی تیاری نہ تھی اس لیے پھر مسلمانوں کے وقتی و اضطراری ہیجان ہی پر اعتماد کرنا پڑا، اور نہایت سراسیمگی کی حالت میں ہر اس شخص اور گروہ کو جو اس وقت فوری طور پر کارآمد ہو سکے، استعمال کیا جانے لگا، قطع نظر اس سے کہ وہ کیسا ہی خود غرض، منافق، مطلبی اور بدکردار ہو اور آگے چل کر مسلمانوں کے لیے کتنا ہی نقصان دہ ثابت ہونے والا ہو۔ اس وقت مجھے کچھ ایسی صورت حال نظر آرہی ہے کہ جس طرح ایک سیلاب سے بھاگ کر انسان، جانور، درندے، سانپ، بچھو، سب ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں، اسی طرح کانگریس کا نقاب اوڑھے ہوئے جو ہندو امپیریلزم سیلاب کی طرح بڑھا چلا آرہا ہے اس کے خوف سے عام مسلمان اور ان کے ساتھ بہت سے وہ لوگ جو ان کی جان و مال یا ان کے دین و ایمان کے اندرونی دشمن ہیں، ایک جگہ

اکٹھے ہو گئے ہیں، اور یہ موخرالذکر ہوشیار لوگ ابھی سے ایسی موقع کی جگہوں پر قبضہ کر رہے ہیں کہ سیلاب اترنے کے بعد جب معاملہ کی بات شروع ہو تو عام مسلمانوں کی رگ گلو ان کے ہاتھ میں رہے۔ آپ سمجھ رہے ہیں کہ مسلم لیگ نے کوئی بڑی ہی زبردست فضا پیدا کر دی ہے جس میں امیدوں کی ایک دنیا بستی نظر آتی ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ لیگ کی قیادت جس کے سامنے کانگریس سے لڑنے کے سلبی مقصد کے سوا کوئی ایجابی اسکیم نہیں ہے، اپنی نااہلی کی وجہ سے مسلمانوں میں سے اُن بدترین عناصر کو ابھار ابھار کر سطح پر لا رہی ہے جو اس سے پہلے مسلمانوں کی قومی زندگی کے کسی تاریک ترین دور میں بھی کم از کم سرداری و سربراہی کے مقام پر نہیں آ سکے تھے۔ فی الواقع اس رہنمائی کے سامنے آدمی کا کوئی معیار سرے سے ہے ہی نہیں۔ ہر وہ شخص جو اٹھ کر لیگ کی حمایت کی آواز اٹھا دے، پلیٹ فارم پر پہنچ جاتا ہے اور اعتماد کا پروانہ حاصل کر لیتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمانوں کے لیے کتنا ہی مہلک ثابت ہونے والا ہو۔ سب سے زیادہ افسوسناک معاملہ جس نے لیگ کی موجودہ رہنمائی کا انتہائی نااہل ہونا واضح کر دیا ہے، اشتراکیوں کا معاملہ ہے۔ اس گروہ کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی وفاداریاں اور ہمدردیاں روس کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس کی رہنمائی کی باگیں تک روس کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی قوم جو اپنے گھر میں آزاد ہونا یا رہنا چاہتی ہو، اپنے درمیان ایسے ایک گروہ کو پھیلنے پھولنے کا موقع نہیں دے سکتی جو کسی بیرونی طاقت کے اشاروں پر کام کرتا ہو۔ اسی وجہ سے کانگریس نے اس گروہ کو اپنے اندر سے نکال باہر کیا اور ہندوؤں میں اس کے اثرات پھیلنے کا دروازہ تقریباً بند کر دیا۔ لیکن لیگ جس نے اپنے قابل اعتماد کا رکن بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور جو اس وقت اندھوں کی طرح ہر اس شخص یا گروہ کا سہارا لے رہی ہے جو بس اس کا الیکشن پروپگنڈا کرنے کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دے، ان اشتراکیوں کو بے تکلف اپنے اندر لے آئیلہ، اور اس کو کچھ نہیں سوجھا کہ اپنے پاکستان میں وہ ایک ایسی طاقت کے ایجنٹوں

لہ اس سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی قابل توجہ ہے کہ لیگ کا دستور اساسی کمیونسٹوں کے داخلہ میں کسی طرح مانع نہیں ہے۔ چونکہ یہ مسلم لیگ بلا اسلام بنائی گئی ہے اس لیے اس میں داخل ہونے کے لیے اسلام پر اعتقاد اور اس کی پیروی شرط نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جس کا نام مسلمانوں کا سا ہو اس میں داخل ہو سکتا ہے خواہ وہ خدا اور آخرت اور رسالت کا منکر ہی کیوں نہ ہو۔

کو قدم جمانے کا موقع دے رہی ہے جو ایران پر اپنا تسلط قریب قریب مضبوط کر چکی ہے اور اب اس کے اور پاکستان کے درمیان صرف افغانستان کی بودی سی دیوار حائل ہے۔ حد یہ ہے کہ اس کم نظر قیادت کو یہ کھلے ہوئے آثار غداری بھی نظر نہیں آتے کہ کمیونسٹ جو ہندوستان میں بڑے مسلمان قوم پرست بنے ہوئے ہیں، ایران اور ٹرکی پر روس کی دست درازیوں کے خلاف ایک حرف نہیں کہتے بلکہ الٹا روس کو حق بجانب اور ایران و ٹرکی کو قابل الزام ٹھیرا رہے ہیں۔ کیا اس سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ کل اگر یہی روس پاکستان میں دخل اندازی شروع کرے گا تو ان کا رویہ کیا ہوگا؟

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اسلام اور اس کے مقاصد سے تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کر لیجیے کہ اس کے لحاظ سے تو لیگ کی تحریک مسلمانوں کو کوسوں دور لیے جا رہی ہے، لیکن محض قومی مفاد کو بھی اگر سامنے رکھا جائے تو مجھے وہ فضا کہیں نظر نہیں آتی جس کے متعلق خبر دی جا رہی ہے کہ وہ بڑی ہی کوئی سازگار فضا ہے۔ ایک طرف روس کا پانچواں کالم کمیونسٹ مسلمانوں پر مسلط کیا جا رہا ہے، دوسری طرف علماء اور پیروں میں سے ان لوگوں کو ابھار کر سطح پر لایا جا رہا ہے جو ہمیشہ ہر اصلاح کے دشمن رہے ہیں، تیسری طرف ان خود غرض لوگوں کی ایک بڑی ٹولی برسر اقتدار آ رہی ہے جو مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر اپنے شخصی یا طبقاتی فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جو کبھی اس قابل نہ تھے کہ ان پر ذرہ برابر اعتماد کیا جا سکتا۔ اور ان سب کے ساتھ سیدھے سادے عام مسلمانوں کا ایک انبوہ بھی ہے جو فی الواقع مخلص ہے، صحیح اور غلط کا پورا شعور رکھتا ہے اور محض اس امید پر ان گروہوں کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا ہے کہ آخر کار اسی راستے پر کہیں نہ کہیں اسلامی منزل مقصود بھی مل جائے گی۔ یہ مختلف عناصر آج کانگریس کے مقابلہ میں متحد و متفق ہو سکتے ہیں، لیکن یہ قطعی ناممکن ہے کہ کل یہ سب مل کر کوئی ایک تعمیری اسکیم بنا سکیں اور اسے ٹھیک ٹھیک چلا سکیں۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ لیگ پر تنقید کروں، کیونکہ کسی خاص گروہ کو ہدف بنانا اور اس کے خلاف معرکہ آرائی کرنا میرے پیش نظر نہیں ہے۔ مسلمان اس وقت جن مختلف سیاسی جماعتوں کے پیچھے جا رہے ہیں ان پر تنقید کرنے کے بجائے میں اس وقت زیادہ مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ خاموشی کے ساتھ اپنا تعمیری کام کرتا رہوں اور مسلمانوں کو ان تحریکوں کے نتائج دیکھ لینے دوں۔ لیکن اگر کوئی شخص خود نہ بولنا چاہے تو ان تحریکوں کے حامی اس کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ضرور بولے اور جب وہ اپنی صاف صاف رائے کا اظہار کرتا ہے تو پھر شکایتیں کرتے ہیں کہ تم ہمارے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہو۔